نئی صدی: اسلام اور مغرب

انیس احمد

۲۰۰۰ء میلادی کی آمد کے موقع پر ایک مرتبہ پھر مستقبل میں اسلام کے کردار بالخصوص روایت اور جدیدیت کی بحث کو معاشی، سیاسی اور معاشرتی تناظر میں زیرِ گفتگو لایا جارہا ہے اور کہا جارہا ہے کہ ایک عالم پیر مر رہا ہے اور ایک جہان نو پیدا ہو رہا ہے جس کی اصل پہچان اس کا معاشی تفوق اور نظریاتی طور پر ثنویت (dualism) کی فتح ہے۔ کہا جارہا ہے کہ اس ثنویت میں معاشرہ اور مذہب دو ایسی قوتیں جو سابقہ دو صدیوں سے ایک بنیادی کردار ادا کر رہی تھیں اب ان کی جگہ کچھ نئی اقدار کو لینی ہوگی۔

"The death of the belief in salvation by society, which for two hundred years had been the most dynamic force in the politics of the West and increasingly the politics worldwide, creates a void. The emergence of fundamentalist Islam is an attempt to fill this void. It is the result of disenchantment with the welfare state of the "democratic" West and with communist utopia. The strong resurgence of religion as an element in public life in the United States, the resurgence of some measure a reaction against the evangelical and pastoral churches is in disappearance of the secular faith in salvation by society." [1]

پیٹر ڈرکر کے خیال میں مغربی اخلاقیات کے دو اہم بنیادی عناصر مذہب اور معاشرہ اپنی تہذیبی عمر پوری کر چکے ہیں اور اب نئی صدی کے تناظر میں ایک نئے اخلاقی نظام کو اس خلا کو پر کرنا ہوگا۔ مذہب کا، خواہ وہ عیسائیت ہو یا ہندوازم، یا بدھ ازم، اپنے محدود روایتی کردار کی بنا پر، ایک ایسے دور میں جہاں زمان و مکان کے تصور میں بنیادی تبدیلی آچکی ہو، اجنبی بن کر رہ جانا اتنی غیر معمولی بات نہیں۔ خود یورپ میں مذہب کے کردار کو محدود کر دینے میں اس کی معاشرتی فکر (social thought) نے بھی بنیادی کردار ادا کیا اور وہ بہت سے کام جن کا تعلق روایتی مذہب سے تھا اب معاشرہ نے اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ چنانچہ ذاتی اور نفسیاتی معاملات میں ماہرین نفسیات، نکاح اور طلاق میں عدالت اور تعلیم میں ریاستی تعلیمی

اداروں کے سرگرم عمل ہونے کا نتیجہ میں روایتی مذہب کے بہت سے وظائف لادینی معاشرتی اداروں کے زیر تحویل آ گئے۔ لادینی فلاحی ریاست کے تصور میں معاشرہ کو وہ مقام حاصل ہو گیا جو کل تک مذہب کا حصہ تھا اور اب یورپی انسان بڑی حد تک معاشرہ کا بندہ بن گیا۔ سوسائٹی نے اسے ذاتی، سماجی اور معاشرتی معاملات میں لادینی، اخلاقی اور سماجی اقدار سے آراستہ کیا اور لادینی جمہوری سیاست کے ساتھ انفرادیت پسندی، اباحیت، لذتیت اور مادی ترقی وفلاح کو معاشرتی ترقی کی علامات قرار دیا۔

بیسویں صدی کے آخری دو سال میں یہ اقدار یورپ و امریکہ کی ثقافت کی پہچان بن گئیں لیکن بیسویں صدی کی سائنسی ترقیوں کے باوجود معاشرتی اور اخلاقی میدانوں میں جتنا واضح انحراف بلکہ زوال رونما ہوا اس کی مثال جدید انسانی تاریخ میں نظر نہیں آتی۔ اس صدی کی سب سے مہلک اخلاقی بیماری Aids نے معاشرہ کے بعض بنیادی تضادات سے پردہ اٹھا دیا جو شخصی آزادی، انفرادیت اور اخلاقی اضافیت (ethical moral relation) ایسے خوشنما اصولوں کے نام پر ایک فرد کو اپنی من مانی کرنے کے لیے تحفظ فراہم کرتے رہے۔ اخلاقی اضافیت کی بنا پر سیاسی، معاشی اور معاشرتی معاملات میں عملاً ایک فرد کی اپنی خواہش اور حق وصداقت کی شخصی تعبیر زیادہ معتبر قرار پائی اور کسی مطلق سچائی، عدل اور حق کے تصور کو مکمل طور پر معاشرتی رواج کے تابع کر دیا گیا۔ فرد کے بنیادی حقوق اور شخصی آزادی کے نام پر اس اضافیت نے یورپ اور امریکہ میں سب سے زیادہ جس ادارے کو متاثر کیا وہ خاندان کا ادارہ تھا۔ انسانیت کے تاریخی مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب کبھی اور جہاں کہیں خاندان کا تقدس واحترام ختم کیا گیا پھر اس معاشرہ کو تباہی سے کوئی بڑی سے بڑی معاشی طاقت بھی نہ روک سکی اور ان معاشروں میں ویسی ہی مہلک بیماریاں پھیلیں جن کا ہم آج مشاہدہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ قوم لوط نے، جب بنیادی حقوق کے نام پر، آج کے gay rights کی طرح اپنی بے راہ روی کو درست سمجھا تو پھر دیگر اقوام کو ان کے مہلک زہر سے محفوظ رکھنے کے لیے انہیں مکمل طور پر تباہ کر کے نشانۂ عبرت بنا دیا گیا۔

نئی صدی کے آغاز پر انسانیت کے مستقبل کے بارے میں یہ سوچنا ضروری ہے کہ کیا فرد کی آزادی کے نام پر خاندان کے ادارہ کو عملاً ختم کر کے اور اباحیت کو اختیار کر کے مغربی تہذیب نئی صدی میں کوئی تعمیری کردار ادا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے؟ یا اس روبہ زوال تہذیب کی جگہ آفاقی اخلاقی و الہامی

اصولوں پر مبنی اسلامی تہذیب کو اس خلاء کو پُر کرنے کے لیے آگے بڑھنا ہوگا۔ مغربی تہذیب کو اپنی بقا و تحفظ کے لیے اسلامی تہذیب کے ساتھ ٹکراؤ کی جگہ باہمی تعاون اور مفاہمت پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔

اسلامی نظام حکومت، اسلامی قانون اور اسلامی معیشت کے نفاذ کی بات کوئی اسلامی تحریک کرے یا کوئی مسلم حکومت عموماً مغربی ابلاغ عامہ اور اصحاب اقتدار ایسی کوششوں کو اپنے لیے خطرہ سے کم تصور نہیں کرتے۔ اس تناظر میں ۲۴ دسمبر ۱۹۹۹ء کو پاکستان کی عدالت عالیہ کا یہ فیصلہ کہ ''سود کی تمام اقسام قرآن و سنت کی تعلیمات کے منافی اور ناجائز ہیں،'' مغربی استعمار کو یقیناً ایک رجعت پسندانہ اور معاشی ترقی کے منافی نظر آئے گا۔ کاش اپنی تمام ''روشن خیالی'' کے ساتھ نئی صدی میں داخل ہوتے وقت مغرب اسلام کے بارے میں اپنے pre- concieved تصورات پر ایک معروضی نظر ڈالنے کی زحمت کرے۔

ہم اس فیصلہ کا قلب کی گہرائی سے استقبال کرتے ہوئے ان ماہرین معاشیات کو جو سپریم کورٹ کے سامنے پیش ہوئے اور جن کی بڑی تعداد ایسے ماہرین کی ہے جو آج کی دنیا کے بنکاری کے نظام سے عملی واقفیت ہی نہیں رکھتے بلکہ بنک کے اداروں سے وابستہ ہیں، ان علماء کرام کو جنہوں نے ۱۹۹۰ء کی دہائی میں نہیں بلکہ اب سے ۶۳ سال قبل[۲] سود کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور اس کاروان جہاد میں دیگر معروف علماء کو شمولیت پر ابھارا، وفاقی شریعی عدالت جس نے سود کی حرمت پر اپنا تاریخی فیصلہ دیا اور جس کے خلاف دو سابق حکومتوں نے سپریم کورٹ میں اپیل کرنے کی جسارت کی (بلکہ قرآن کی اصطلاح میں بغاوت کی اور جس کی طرف قرآن نے اشارہ کرتے ہوئے سخت ترین سزا تجویز کی ہے) سندھ ہائی کورٹ کے اس فیصلہ کے مصنف جس میں دستور پاکستان کی دفعات کے تحت سود کو حرام قرار دیا گیا تھا اور ان تمام ماہرین قانون اور قضا کو مبارک باد کا مستحق سمجھتے ہیں جن کی شب و روز کی کاوشوں سے یہ فیصلہ، ایک ایسے مہینہ میں جو برکتوں کا مہینہ ہے اور ایک ایسے عشرے میں جو مغفرت وعفو کا عشرہ ہے، منظر عام پر آیا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اس فیصلہ کا سب سے اہم پہلو نئی صدی میلادی کے آغاز پر یہ واضح اعلان کرنا ہے کہ ماضی کا اقتصادی نظام جو سرمایہ دارانہ ذہن کی پیداوار تھا اور جس پر آج بھی یورپ و امریکہ ناز کرتا ہے دم توڑ چکا ہے اور محض رب کی حرمت نہیں (جس کے لیے کسی عدالت کے فیصلہ کی ضرورت نہیں تھی) بلکہ

پاکستان کو معیشت میں خود انحصاری، قرضوں سے نجات، ملک کے اندر اور باہر سود کے استحصالی نظام کے خاتمہ اور ایک ایسے معاشرہ کی تعمیر کے لیے جو معاشی عدل اور معاشرتی فلاح کے اسلامی اصولوں پر قائم ہو مستقل مزاجی اور جرات کے ساتھ ایک نئے سفر کا آغاز کرنا ہوگا۔

ربا یا سود کے بغیر معاشی ترقی کس طرح ہوگی یہ کوئی نظری سوال نہیں ہے آج اس موضوع پر علمی تحقیقات کے ساتھ ساتھ اسلامی ڈویلپ منٹ بنک، اسلامی انویسٹ منٹ کمپنیاں اور بہت سے ایسے ادارے موجود ہیں جو برس ہا برس سے کام کر رہے اور ان کی سالانہ کارکردگی کے جائزے نفع و ترقی کو ظاہر کرتے ہوئے موجود ہیں۔ ۲۳ دسمبر کو آنے والا یہ فیصلہ ۲۰۰۰ء میلادی کے لیے ایک بہترین تحفہ اور امید کی شعاع کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ نئے معاشی نظام کی بنیاد قرآن و سنت کے اصولوں پر رکھے بغیر ہم نئی صدی میں معاشی حقیقتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہماری دعا ہے کہ پاکستان اس امتحان میں کامیاب ہو اور اس ملک کے ۱۴۰ ملین افراد کا اسلامی معیشت کے حقیقی نفاذ کا خواب جلد شرمندہ تعبیر ہو۔

موجودہ شمارہ میں مضامین کے حصہ میں اس بار ایران پر زیادہ مضامین پیش کیے جا رہے ہیں۔ جن سے امید ہے مغربی نقطہ نظر کے ساتھ ساتھ خود موضوع کو زیادہ گہرائی سے سمجھنے میں مدد ملے گی۔ پیش نظر شمارہ جلد چہارم کا پہلا شمارہ ہے۔ ابھی تک کسی جلد کا اشاریہ پیش نہیں کیا جا سکا ہے تاہم آئندہ کسی شمارہ میں کوشش کی جائے گی کہ گزشتہ جلدوں کا اشاریہ پیش کر دیا جائے۔ قارئین سے درخواست ہے کہ اپنی آراء و تجاویز سے بھی آگاہ فرمائیں۔

حواشی

1. Peter F. Drucker, *The New Realities in Government and Politics, in Business Society and World*, New York, Harper, 1990, Page-16

۲۔ ''سود'' از سید ابوالاعلیٰ مودودی، لاہور، اسلامی پبلشرز لمیٹڈ، ۱۹۱۶ء۔ یہ کتاب ان مضامین پر مبنی ہے جو سود، سرمایہ داری اور اشتراکیت کے مالی نظاموں کے تنقیدی جائزہ پر مبنی ہیں اور جو ۱۹۳۹ء سے ۱۹۶۰ء کے دوران لکھے گئے۔